نظمیں
موتیے کے نابینا پھول
توقیر رضا

موتیے کے نابینا پھول

کارِ دیگر

پنجابی مجموعہ: چن دی مٹی (2021)

بطور مرتّب : اپار ا قابل جعفری (2023)

موتیے کے نابینا پھول

توقیر رضا

موتیے کے نابینا پھول شاعری توقیر رضا

بارِ اوّل : دسمبر 2023

سرورق پینٹنگ : نائلہ لودھی Blind & Bloom(eye)

تفہیم / کوورڈیزائننگ : توقیر رضا

خطاطی : بلال عاجز

بریل Braille : محمد جمیل

Motiye Ke Nabina Phool

(Urdu Poetry by Tauqir Reza)

Printed by:

Haji munir & sons Press, Lahore.Pakistan

Published by:

سانجھ
SANJH PUBLICATIONS

4

Book Street, 46/2 Mozang Road, Lahore, Pakistan.
Phone: +92 3314686276
e-mail: sanjhpk@yahoo.com, sanjhpks@gmail.com
Web: www.sanjhpublications.com

ISBN: 978-969-593-443-2

نابینا افراد کے نام

بھاگ اور اِتنا دُور بھاگ کے جا
رنگ اور روشنی تیاگ کے جا

تجھ سے کس نے کہا تھا چُھو اس کو
کس نے بولا قریب آگ کے جا

فہرست

آگ سے ڈھلے آنگن

کوئلہ کاٹتی آنکھیں

ابتدائیہ نظم

میں نے اپنی ہر نظم میں
قصداً کچھ آگ رکھی
تا کہ ہوا مجھے پہچان کر دو آتشہ کر دے

بازیافت

مٹی اپنی آگ میں جل کر راکھ ہوئی
پانی اپنی آگ میں جل کر راکھ ہوا

اور شعلہ گیر ہوا نے
بجھتی ہوئی راکھ سے مجھے ڈھونڈ لیا

نادیدہ کے نام

''آگ سے دُھلے آنگن
آگ سے دُھلے آئینے
کوئلہ کاٹتی آنکھیں
موتیے کے نابینا پھول
ہک رنگ موت دا''
جیسے، ان دیکھی دنیاؤں کا کوئی طلسم
(اور میرے سینے پر
چاندی کے ورق
اور تمہارے ہاتھوں میں
سونے کے تھال)

مجھے! تم سے حسد ہے
اے میری نادیدہ دوست
اے تخلیق کی دیوی
تم میرے اپاہج ہاتھوں سے
اتنی عمدہ نظمیں کیسے بُن لیتی ہو

مَیں

(یک سطری نظم)

آگ کے پجاری کو کیا خوف کہ دھوپ کتنی تیز ہے

آگ سے دُھلے آنگن

آگ سے کنگھی کرتے ہوئے ہاتھ

تم میری خواہش کے مخالف ہو
خواہش اپنی بنیاد میں جبر کے کلیشے سے پھوٹتی ہے
لیکن یہ ہم اور ہماری آنکھوں کا لالچ ہے
جو اِسے ہر بار نیا بنا کر پیش کرتا ہے

گاڑی کا شیشہ تو صاف ہے
یہ تمہاری آنکھوں کا گند ہے
جس سے جلے ہوئے ٹائر کی سڑاند اُٹھ رہی ہے

سڑک پہ چِپ چِپ چپکتا ہوا تارکول
اور تمہارا اجلا ہوا دل
دونوں ایک جتنے انجان ہیں

اِس بات سے کہ سورج نے
سڑک پر چلتے ہوئے کسی معذور کی بیساکھی جلادی ہے

ہم سب اپنی جلن دیکھتے اور اپنی آگ سینکتے ہیں
اور دوسروں کی آگ سے جلتے ہیں
اُن کی روشنی اور اُن کے آئینے ہمیں نہیں بھاتے

دیکھنا! آگ سے کنگھی کرتے ہوئے
تمہارے ہاتھ نہ جل جائیں

نیلی اور زہریلی آگ

میں اک آگ میں جل رہا ہوں
ایک نیلی اور زہریلی آگ
ایک تسلسل سے مسلسل بھڑکتی ہوئی آگ!

جسم راکھ اور
میری ہڈیوں کا گودا سیاہ ہو چکا ہے

راکھ میں دو آنکھیں جلنے سے رہ گئی ہیں
جو نیلے آسمان کو گھور رہی ہیں

آسمان جو متکبر ہے
میری آنکھوں کی گرمی سے ناواقف ہے

ایسی گرمی جو زمین اور آسمان کو
پل بھر میں راکھ کر دینے پر قادر ہے

ایسی راکھ جو بالکل سرد ہو گی
جس کی بانجھ کوکھ سے
قیامت تک!
کوئی شعلہ نمودار نہیں ہو گا

جُوڑے میں کھلا پُھول

گنتی کرو!
میرے ہاتھ میں
نیند کی کتنی گولیاں ہیں؟
مٹھی بھر نیند کی گولیوں سے
سال بھر کے خواب خریدے جا سکتے ہیں
یا پھر ابدی نیند!
میں کوئی دن
نیند کے اُس پار جہاں
دودھ اور شہد کی نہریں بہہ رہی ہیں
جہنم کی دیوار پھلانگ کر تم سے ملنے آؤں گا
اور
سُرخ پھولوں کی چنگیر سے اک پھول چُرا کر
تمہارے جُوڑے میں سجاؤں گا

آگ میں لپٹے ہوئے میرے ہاتھ
تمہارے جنتی جسم کو چھونے سے ڈرتے ہیں
اور میری ہر ممکنہ خواہش کو
روشن ہونے سے پہلے ہی راکھ کر دیتے ہیں

موت سے پہلے مَیں
تمہارے جُوڑے میں
اپنی خواہش کا پُھول کھلانا چاہتا ہوں

آگ کی تلاش

میں تمہارے لیے اپنی رنگین کشتی میں آگ بھر کر لا رہا ہوں
دور افتادہ ساحلوں سے اکٹھی کی ہوئی آگ

نہ جانے کتنے ساحلوں سے میں نے یہ پتھر جمع کیے
جن میں شعلگی نمو پذیر تھی

ہاں
آگ جہاں کہیں چھپ کر بیٹھی ہو
میں اسے ڈھونڈ لیتا ہوں
یا وہ مجھے آواز دے لیتی ہے

تمہارے اندر بھی تو اِک آگ تھی
جس نے تب مجھے پکارا تھا جب میں جلنے کی لذت سے انجان تھا

تمہی کہو! کیا وہ میری شعلوں سے کھیلنے کی عمر تھی؟

اور اب جب کہ مجھے لَتّ لگ چکی ہے

نِت نئی چنگاریوں سے دل بہلانے کی لَتّ

تو تم مجھے روکتی ہو

اور سرد انگیٹھی کے پاس بٹھا کر رکھنا چاہتی ہو

سُنو مجھے جانے دو

میں تمہارے جسم کی یخ بستگی سے اُکتا چکا ہوں

مجھے جانے دو

کیا معلوم میں تمہاری لیے بھی کچھ آگ لے آؤں

تم میرا انتظار کرنا

اور بجھتی ہوئی ہڈیوں کا کوئلہ تیار رکھنا

جلد میں آگ سے بھری رنگین کشتی کے ساتھ تم سے آملوں گا

گمشدہ ستارے کی راکھ

(شاہ زیب اور ہمایوں احمد منصور کے نام)

دُور بہت دُور
مجھے راکھ اڑتی ہوئی نظر آ رہی ہے

جلتے ہوئے الاو پر خاک ڈال کر
کسی نے آگ بجھانے کی ناکام کوشش کی ہے
نیم مردہ راکھ کی تقدیر اب ہوا کے سپرد ہے

سب تیز تیز چلو
عین ممکن ہے کہ مرتی ہوئی آگ میں ابھی بھی کچھ جان باقی ہو

اور ہوا اُس تک نہ پہنچ پائی ہو

ایسے میں ہم
آگ کے پہلو میں
کچھ دیر کے لیے ستا سکتے ہیں
اور تھوڑا بہت گوشت بھون کر کھا سکتے ہیں
(کچے گوشت کی بُو سے مجھے الرجی ہے)

دُور بہت دُور، نہ جانے اور کتنی دُور!
تیز بہت تیز!
مگر ہم ہوا سے زیادہ تیز تو نہیں چل سکتے؟
آگ بہت دور ہے
اور پیروں کے چھالے پیپ سے بھر چکے ہیں

کیا خبر وہاں کوئی الاؤ ہی نہ ہو
یوں بھی یہاں دور دور تک
کسی قافلے یا کسی انسان کا نام ونشان تک نہیں
مجھے تو یہ کسی گمشدہ ستارے کی راکھ لگتی ہے

جو اپنے مرکز سے منحرف ہو کر
اِس بیابان میں آن گرا ہے

تم ایک اجنبی ستارے کی راکھ پر
گوشت بھُون کر کھانا چاہتے ہو؟

بدحواس نطفے کا پھل

آنکھوں کے جنگل میں لگی آگ
جسم کی مٹی سے اُٹھتی ہوئی بھاپ
تیز تیز چلتے ہوئے ہاتھ!

ہاتھوں کی گرمی سے کھلتا ہوا پھول
پھول سے اُڑتی ہوئی خوشبو
خوشبو سے مہکتی ہوئی تم
مہک سے پاگل ہوتا ہوا سانپ
سانپ کی پھنکار سے- ڈرتی ہوئی کوکھ
کوکھ سے پیدا ہوتا ہوا ڈر

ڈر! ایک بدحواس نطفے کا پھل!

مسئلہ مٹی کا ہے

یعنی میرے پاس فرار کی کوئی راہ نہیں

آگ کی تحدید سے پہلے
مٹی کی وسعت ماپ لینا چاہیے

تم جسے جسموں کی باڑ لگا کر روک لینا چاہتے ہو
اسے پنجرے کا کوئی خوف نہیں

سرحد کے دونوں جانب
ایک جیسی آگ ہے ایک جیسے جسم ہیں
(ایک جیسی مٹی ہے)

مٹی کی کہانی بہت پرانی ہے

تم ذرا آگ سے بھری دونالیاں تھام کر کھڑے
اِن مجسموں کو
مٹی کا نام لے کر تو پکارو

دوڑتے ہوئے چلے آئیں گے
اپنے اپنے اندر چھپی آگ کو بجھانے

مٹی کی محبت میں آدمی اندھا ہو جاتا ہے
اور اس کے لیے
فرار کی کوئی رہ باقی نہیں رہتی

میٹروپولیٹن شہر۔خوابوں کے ماڈرن قبرستان

یہ بڑے بڑے میٹروپولیٹن شہر
ہمارے خوابوں کا مدفن ہیں
یہ وہ ماڈرن قبرستان ہیں جہاں
کسی کے کتبے پر کسی اور کا نام درج ہے

اشیا کی فراوانی اور
خواہشات کی بہتات میری اور تمہاری بھوک سے قائم ہے
(بھوک! پیٹ کی نہ بجھنے والی آگ)
آگ جو ہم ایسوں کو
پرائی سرزمینوں کی طرف ہجرت پر مجبور کرتی ہے

تم! دونوالوں جتنا سوچتے ہو
اور آدھے لقمے جتنی محنت کرتے ہو

میری طرح تمہارا ابھی یہاں کوئی کام نہیں

یہاں جن کی نیند پوری ہو
ان کے خواب ادھورے رہ جاتے ہیں

اِس تیرگی بھری روشنی میں بھاگ بھاگ کے چلنا پڑتا ہے
اور چل چل کے تھک جانے پر تنخواہ کٹ جاتی ہے
اِس سے پہلے کہ تمہارے کتبے پر کسی اور کا نام درج ہو
واپس لوٹ جاو

اب تو ہر گاوں میں آئینے بیچنے والا آتا ہے
کسی سے دو چار آنے ادھار لے کر
ایک دستی آئینہ خریدو اور من مرضی کے خواب بیچو
یہاں اپنے خواب خریدنے کے لیے کسی کی جیب نہیں کاٹنا پڑتی

آئینہ چھوٹا ہو یا بڑا
آنکھوں میں اُتنے ہی خواب سجاؤ
جس قدر جیب میں گنجایش ہے

سونے کے سکّے

نیند کے چوہے آج بھی میری آنکھیں کترنے میں ناکام رہے
(گلی میں بھونکتے ہوئے کتوں کی آواز!)
بھوک مجھے کبھی اتنا بے باک نہیں ہونے دے گی
کہ میں بے خوف ہو کر اپنے خوابوں کے پیچھے بھاگ سکوں

میں چہروں کی شناخت سے قاصر ہوں
بھاگ بھاگ کر تتلیاں پکڑنے کی خواہش
بچپن میں ہی دم توڑ گئی تھی

آگے دُور اس پہاڑی کے پار
ایک دوسرا دیس ہے
جہاں کے لوگ بہت آسودہ ہیں
یہ کہانی میں نے اپنے باپ سے سُنی تھی

ایک ڈھلان سے پھسل کر میں
آئینوں کے اُس دیس میں اُترا
تو سونے کے سِکّوں میں چھپی آگ میری منتظر تھی
باپ کی آواز کہیں بہت پیچھے رہ گئی تھی
اور ایسے میں بھوک نے مجھے اپنا قیدی بنا لیا

آئینوں کی چمک ماند پڑ گئی
اور آنکھوں کو بے خوابی کے زنگ نے چاٹ لیا

آگ سے دُھلے آئینے

ہماری شکلیں آگ سے دُھلے آئینوں نے مسخ کر دیں
پھول کمھلانے کی تکلیف جلنے سے بہر حال کم ہے

بستی بستی پناہ ڈھونڈتے رسول
اور دَرزوں میں چھپے دھوکے!

آسمان کس قدر دل گرفتہ ہے
میرا دل جیسے راکھ ہوتے ہوئے کسی ستارے کی آخری چیخ ہے

یہاں میری مٹی نے سچ کے پیر کاٹ کر
اسے کُہنیوں کے بل چلنے پر مجبور کر دیا ہے

جھوٹ دن دہاڑے شہر میں دندناتا پھرتا ہے

اور شہر کے اُونچے منارے سے
لٹکتا ہوا گھڑیال
غلط وقت بتانے میں ذرا شرم محسوس نہیں کرتا

سانپ کھلی آستینوں سے جھانکتے ہیں
مگر ڈستے نہیں
کہ ڈسنے کے لیے کوئی آدم زاد بھی تو ہو

جسموں پہ فقط رنگے برنگے ملبوس ہیں
اندر بس کھوکھلی لاشوں کے سوا کچھ بھی نہیں
لاشیں کہ جنہیں
مکروفریب کے آوارہ بھیڑیوں نے چبا کر
گلی کوچوں میں ٹہلنے کو چھوڑ دیا

اور اُن کی سڑاند سے
تمام ذی روح بھاگ کر
نامعلوم بستیوں کی طرف ہجرت کر گئے ہیں

دانتے کا جہنم

میں وہی آگ ہوں
جس کا کلمہ پڑھ کر تم
جہنم کے سب سے اعلی درجے پر فائز ہوئے

کیا تمہیں ایک سے نو تک گنتی آتی ہے
ہومر، سقراط اور ورجل سے پوچھو
کیا انہیں ایک سے نو تک گنتی آتی ہے
ایک سے نو تک ہر دائرہ آگ سے بنا ہے
اور دانتے اپنے ہی بنائے ہوئے دائروں سے باہر کھڑا ہے

اب وہ ہنس رہا ہے اور ہنستے ہنستے
دسواں دائرہ کھینچنے میں مصروف ہے
جہاں وہ خود شان سے رہ سکے

دانتے کو کلمہ نہیں آتا
دانتے کو گنتی آتی ہے
اسی لیے آگ اس کے پیروں سے لپٹی ہے

سُنو ورجل، اے عظیم المرتبت شاعر!
شعلوں کی گنتی سے فرصت ملے تو اس آگ سے اک نظم لکھنا
ایک ایسی نظم جو
جلتے ہوئے دائروں کو بجھا دے
اور سب کو ایک خطِ مساوی پر لا کھڑا کرے

ہندو بم، مُسلم بم

(بنام ارون دھتی رائے)

آگ کے گرد اُلٹے پھیرے
سات وَچن
اور ایک بم دھماکا

چار ارب ساٹھ کروڑ وَرش پرانی دنیا!

ہندو بم، مسلم بم
تقسیم کی نئی بنیادیں!

اور

(جب ریگستان کانپ اٹھیں
پہاڑ سفید ہونا شروع ہوجائیں)
تب دھوئیں کے مرغولوں میں گم ہوتی ہوئی زندگی سے

ایک نئی کائنات کا آغاز ہوگا

مجھے تمہارے گھنگریالے بالوں کی قسم!

مجھے چھے کلمے زبانی یاد ہیں
جہنم ابھی مجھ سے بہت دور ہے

تھوڑی سی کوشش سے ہم
اِس زمین پر
ایک نئی جنت آباد کر سکتے ہیں

حسد کی آگ اور دھوئیں کا میک اپ

ہمیں رنگوں کے انتخاب میں احتیاط برتنی چاہیے
شوخ رنگ مفلس کی نگاہوں کو نہیں بھاتے
نتیجتاً اُس کے اندر پنپتی ہوئی خواہش کے رنگ کُمھلانے لگتے ہیں

محرومی کسی کے گھر بھی ڈیرا ڈال سکتی ہے
کسی بھی آنکھ میں اُتر کر اُس کی رنگین بینائی چھین سکتی ہے
آئینہ محرومی کو چھپانے کا ہُنر جانتا ہوتا
تو کوئی شخص احساس کمتری میں مبتلا نہ ہوتا

اِس پر یہ مصنوعی اُجلا پن!
کیا تم جانتی ہو تمہارے میک اپ کی کِٹ بیچ کر
کوئی غریب اپنا چہرا دھونے کے لیے صاف پانی خرید سکتا ہے

اور مکمل اعتماد کے ساتھ آئینہ دیکھ سکتا ہے

گندے نالے کے کیڑے خود بخود پیدا نہیں ہوتے
فضا میں یہ بڑھتا ہوا تعفن اسی فیکٹری کے دھوئیں نے پھیلایا ہے
جو تم جیسوں کے لیے میک اپ کٹس تیار کرتی ہے

یہ دھواں آسمان پہ نہیں
سیدھا ہمارے چہروں اور آنکھوں پہ جمتا ہے
اور ہم تمہیں بدصورت نظر آتے ہیں
خود کو اور اِن معصوم آئینوں کو دھوکا دینا بند کرو
نہیں تو ایک دن یہ دھواں تمہارا گھر دیکھ لے گا

* ماشیری!
حسد کی ایک نظر سے
ہاتھ میں پکڑا ہوا پھول
کبھی بھی جل کر راکھ ہو سکتا ہے

---

* ma chérie فرانسیسی زبان میں My Dear کا متبادل

ایک سفیدی والی بستی

(ماحولیاتی تبدیلی کے تناظر میں)

اڑتے اڑتے تھک گئے پنچھی
خواب سرا کی اونچی منزل
تعبیروں کے بکھرے دانے
اک ممٹی پر گدھ بیٹھے ہیں
دوسری ممٹی پر سورج کی آگ دھری ہے
(آگ کبھی جو دھوپ رہی ہے)
جس میں پنکھ پکھیرو اپنے گیلے پنکھ سُکھاتے تھے

اب!
جنگل پھونک کے
شہروں تک آ پہنچی ہے
قبضہ گیر نے دریا ویسے چھین رکھا ہے

اور شکاری
سبز سفیلوں کے پیچھے سے اپنی غلیلیں کھینچ رہے ہیں
کہاں پہ اُتریں ہنس ہمارے

پھر سے کالی دیواروں کے اندھے لیکھک
ڈھونڈ رہے ہیں
کوئی سفیدی والی بستی

آئینہ، آگ اور بَیل

خون کوئی بہتا ہوا سرخ پانی نہیں
بلکہ اک سیّال آگ ہے
جو میرے اور تمہارے جسم میں بہہ رہی ہے

آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے
شب بھر جاگنے کا نتیجہ نہیں
بلکہ یہ اسی آگ کا دھواں ہے جو آنکھوں کی چمنیوں سے نکل کر
کناروں پر جم گیا ہے

شاید تمہاری آگ ابھی نئی نئی ہے
جبھی تمہاری آنکھیں اتنی صاف اور اُجوَل ہیں

اک ذرا پُتلیوں کا کوئلہ بھڑک لینے دو

پھر دیکھنا
تمہارا وجود اک دلفریب دھوئیں میں گُم ہو جائے گا
اور اشیا کی حقیقت تمہیں
اسی آگ کے آئینے سے دیکھنے کی عادت ہو جائے گی
جب تک کہ یہ آگ بوڑھی نہ ہو جائے اور
اس کے آئینے پر جھریاں نہ پڑ جائیں
تم بستر پر بَیل کی طرح ناچتے رہو گے

اگرچہ
شہوت کا بڑھاپے سے کوئی تعلق نہیں
مگر بینائی کا تو ہے
مانو! اک بار آئینہ جھوٹ بھی بول سکتا ہے مگر آگ!
آگ کبھی جھوٹ نہیں بولتی

خواہش کی آگ

میں بھی دیکھتا ہوں بھلا تم
میری خواہش کا راستہ کیسے روکتی ہو
راستوں کے پیڑ بھی
میرے اندر اٹھتے ہوئے طوفان سے آگاہ ہیں
پیڑ کبھی کسی کی خواہش کا راستا نہیں روکتے
وہ خزاں کی خوشی میں زرد ہو جاتے ہیں
اور بہار کی چاہت پر اس کی مرضی کے رنگ اوڑھ لیتے ہیں
کیا تم ایک ایسا پیڑ نہیں بن سکتی
جو ہر مسافر کے لیے ہمیشہ اپنی بانہیں کھولے کھڑا رہتا ہے
اور کسی اجنبی پر بھی اپنی چھاؤں نچھاور کرنے میں تامُّل نہیں کرتا
کیا ہم سب ایک سے نہیں؟
اور ہماری خواہشیں بھی
تو پھر اس قدر دُوری کس کے لیے؟

کیا کہا؟ خدا کے لیے!
تو کیا یہ خدا کی خواہش ہے کہ تم میری خواہش سے باز رہو؟
(بھولی لڑکی کسی سازش کا شکار مت ہونا)
دیکھو! خواہش کے بیدار ہونے پر اسے سُلایا نہیں جا سکتا
ہاں اس کا قتل ضرور کیا جا سکتا ہے
(اور قاتل کی سزا جہنم ہے)

تب تمہارا خدا کہاں تھا جب میرے اندر یہ آگ پروان چڑھ رہی تھی
میرے لیے تو اب دونوں طرف آگ ہے
تمہی کہو! مَیں کس آگ کی جانب لپکوں

خوف کی آکاس بیل اور آگ

آگ یقیناً خوف میں مبتلا کرتی ہے
ماؤں نے ہمیں لوریوں میں خوف کی دیو مالائی کہانیاں سُنائیں
اور جب پاوں ذرا پالنے سے باہر نکلے
تو جہنم جیسے ہمارے پیروں سے لپٹنے کو تیار تھی

میں لڑکپن میں تندور کو بھی کوئی چھوٹا سا جہنم سمجھتا تھا
مجھے گیزر میں آگ جلانے سے خوف آتا
اور ماں مسکرا دیتی

یہ خوف کی آکاس بیل کس خوشی میں میرے بدن سے لپٹی ہے
مجھ میں سوائے خوف کے کیا بچا ہے
جو اِسے نچوڑنا ہے

سُنا ہے
آکاس بیل سے چھٹکارا پانے کے لیے
متاثرہ درخت کو جلانا پڑتا ہے

تو کیا مجھے بھی جلنا ہوگا
نہیں مجھے مت جلاؤ
مجھے آگ سے ڈر لگتا ہے
میں یونہی ڈرتے ڈرتے زندگی گزار لوں گا

یوں بھی
کیا ضروری ہے کہ ہر درخت سرسبز اور پھل دار ہو
کچھ درخت بانجھ بھی تو ہوتے ہیں

وقت کا زہریلا ناگ

وقت جیسے منہ سے آگ اُگلتا ہوا کوئی ناگ ہے
کہ جو بھی سامنے آئے گا اُسے جلا کر بھسم کر دے گا

اور جسے وقت ڈس لے
اُسے پھر کوئی نہیں بچا سکتا
کوئی جوگی اُس کے نیلے ہوتے ہوئے وجود سے زہر نہیں کھینچ سکتا

''ویلے دا ڈنگیا پانڑی وی نئیں منگدا''
کیا مثالوں میں ترمیم جائز ہے؟

میرے وجود میں
زہریلے آنات کا زہر بھَر چکا ہے
لمحوں کے زہریلے سانپ میری شریانوں میں گھر کر چکے ہیں

اور میرے منہ سے بہتے ہوئے جھاگ میں
میرا حال ماضی و مستقبل سب کچھ بہہ گیا ہے

وقت کے ناگ اور اس کے منہ سے برستی ہوئی آگ نے
میرا سب کچھ راکھ کر دیا ہے

دیکھو مجھے جلتے ہوئے دیکھو!
تم لوگ زہریلی خبریں پڑھنے میں اس درجہ مگن ہو
کہ اخبار کو لگی آگ بھی نہیں دیکھ پاتے

آہ!
خبرنامہ سُننے کے شوقین نظم کا دُکھ بھلا کیا سمجھیں؟
نظم صرف خبریں نہیں سناتی

نظم تو
وقت کی قید سے ماورا
کسی سیّارے کا طلسم ہے
جو اپنے منتخب کردہ رسولوں پر اترتا رہتا ہے
اور وہ ہمہ وقت آگ سے لڑتے رہتے ہیں

ریت، آئینہ اور آگ

ریت سے آئینہ بنانے میں بس ریت ہی نہیں لگتی
آگ بھی لگتی ہے
یہ سمجھنا مشکل نہیں کہ
آئینہ دیکھتے ہوئے میری آنکھوں میں ریت کیوں پڑتی ہے
پلکیں کیوں جھلس جاتی ہیں

عکس آگ کی پیداوار ہے
اور آگ ہمارے جسموں کی ہم زاد

یہ ہم زاد! اگرچہ نظر نہیں آتے
مگر ہوتے ہیں
جنہیں دیکھنے کے لیے اک آئینے کی ضرورت پڑتی ہے

ایک ایسا طلسمی آئینہ
جو لمحہ بہ لمحہ ریت کی طرح
کائنات کی مٹھی سے پھسلتے ہوئے اجسام کو جکڑ سکے

عکس کندن ہو کر جسم بن جاتے ہیں
اور جسم پگھل کر عکس

تم عکس ہو یا آئینہ
میں آگ ہوں یا ریت

کہیں یہ سب اِن آنکھوں کا دھوکا تو نہیں

ریت سے آئینہ بنانے میں بس ریت ہی نہیں لگتی
آگ بھی لگتی ہے

آتش دان میں قید اک منظر

دیکھا دیکھا دن کا چہرہ
دیکھی دیکھی رات کی آنکھیں
پھر بھی کوئی چہرہ چہرہ، آنکھوں آنکھوں۔۔
آتش دان کی آگ سے اُلجھے

چھوڑو، دیکھو!

وہ اک سورج

وہ اک تارا

اور ادھر دو چاند سنہرے

اور مرے کمرے کی اندھی تنہائی میں
دن اور رات برہنہ ہو کر
وقت کی قید سے باہر آ کر
ایک بدن میں پھیل گئے ہیں

ناف کا تارا تم چُن لینا
سورج سی پیشانی میری
چاند برابر بانٹیں گے

boon.dog.gling

(یہ ملبوس مجھ پر پُورا نہیں آتا)
آسمان پہ لگے بادلوں کے پیوند اُس کا حسن بڑھاتے ہیں
مگر بادل گِن لینے سے ہم
یہ نہیں جان سکتے کہ آسمان کی قمیص میں کتنے سوراخ ہیں
ایسا کر لینے سے
کیا مٹی کے چھید بھر جائیں گے؟

کچھ کام کبھی کرنے کے نہیں ہوتے

جیسے تم اپنی آنکھوں سے آگ کا قطر ماپ لینا چاہتے ہو

(اِس پلڑے میں اتنی ہے
تو دَس پلڑوں میں کتنی ہوگی)

آگ کی پیمائش میں مصروف ہم یہ کیوں بھول جاتے ہیں
کہ کس پلڑے کی آگ نے ہمارے کتنے گھر جلائے

آگ کو پلڑوں میں رکھ کر نہیں تولنا چاہیے
کبھی کبھی اِک چنگاری بھی سارے جنگل کو پھونک سکتی ہے
تو تم اُس چنگاری کا وزن
کس ترازو میں رکھ کر کروگے

کچھ کام کبھی کرنے کے نہیں ہوتے

آنگن میں راکھ

(کاروَنجھر جبل کے لیے)

یہ وہ وقت نہیں
جب لوہے کی باڑ سے دوسری جانب
بسنے والوں سے
مدد کی بھیک مانگی جائے

اپنے گھر کی خبر خود لو!

قینچی کی تلاش میں ہم کس قدر دور نکل آئے
اس اُدھیڑ بُن میں ہماری مٹی کے زخم کُھل گئے ہیں

اِدھر آؤ! سڑکوں پر بہتا ہوا لہو تمہیں آواز دے رہا ہے
تم جو اِن میدانوں اور کھیت کھلیانوں میں

خوشی کے گیت گاتے پھر رہے ہو
سُنو! کیا تمہیں کچھ اندازا ہے
کہ دریا کے اُس پار کیا گزری؟
وہ پہاڑوں کے بیٹے کیا ہوئے؟

جب تم اپنے آئینوں پر جمی دُھول دھو رہے تھے
آگ تمہارے پڑوسی کا گھر جلا رہی تھی

کشتی کچھ اور لاشے لے کر آئی ہے
جاؤ، جا کر استقبال کرو
سلامی پیش کرو
(کہ اس سے زیادہ ہم کر بھی کیا سکتے ہیں)

میں دریا کا بیٹا ہوں اور اپنی کُل متاع دریا کے سُپرد کرتا ہوں
مجھے اک پہاڑ کی مدد کو جانا ہے

قبول کرنا میرے دوست!
شام ہونے سے پہلے مَیں
آنگن کی سب راکھ سمیٹ کر
تم سے آمِلوں گا

آگ سے دُھلے آنگن

ہمارے نتھنے

خود

ہمارے،ہی جسموں کی بد بو سے بھر گئے ہیں

اب ہمیں کوئی شام سہانی نہیں لگتی

راکھ کے ڈھیر پہ بِتایا گیا دن
آخر کس قدر خوش گوار ہو سکتا ہے؟

(یہ حسِ لطافت کیا شے ہے؟)

سورج ہمارا کوئی عیب نہیں چھپاتا

اور چاند ہمیں مزید برہنہ کر کے چلا جاتا ہے

(یہ سنگِ مرمر سے جسم
اور یہ کالے دھبے
یہ سبز گنبد اور یہ سیہ گدھ)

یہ دالان اور۔۔

آگ سے دُھلے آنگنوں میں
کبھی کوئی پھول نہیں کھل سکتا

آگ اپنی ہر شکل میں میرے سامنے موجود ہے

عناصر میں پوشیدہ
پانی میں تپیدہ
مٹی میں ژولیدہ
(ہر رنگ و نسل کی آگ)

قصوں، کہانیوں میں روپوش
داستانوں میں محفوظ
ناٹک میں بھاگ لیتی
نِت نئے کرداروں میں ڈھلتی
نو بہ نو صورتیں بدلتی
سوانگ رچاتی
اَت رنگی
ست رنگی

(رقص کرتی ہوئی
بھاؤ دیتی ہوئی
تال پر جھومتی
رزمیوں میں کہیں جنگ لڑتی ہوئی
خیمہ گاہوں میں سوئے چراغوں کو پھر سے جگاتی ہوئی)

آگ اپنی ہر شکل میں میرے سامنے موجود ہے

لیکن مجھ میں موجود کوئی چنگاری کبھی شعلہ نہیں بن سکتی
کہ میرا بسرام آج کل اس بستی میں ہے جہاں
تنوع کی ہر صورت ممنوع ہے

—

یہاں صرف سیمنٹ کے ڈھیر ہیں
یہ رنگ برنگی اونچی عمارات تنوع اور نمو کی نہیں
بوسیدگی کی نشانیاں ہیں

یہ زندان کتنے ہی خوش رنگ کیوں نہ ہو
اِن پر خوشی کی کوئی کونپل نہیں کھل سکتی

not touch it

Plz! Do not touch it

دوست !

تم جس چنگاری کو چھونے جا رہے ہو
اس نے کبھی میرا گھر بھی جلایا تھا
تب آسمان پر ایسا کوئی بادل نہ تھا
جو اِس بھڑکتی ہوئی آگ کو روکتا
اور ہَوا تو یوں بھی میرے لیے
کبھی سازگار نہیں رہی

دوست !

پانی کے بہہ جانے میں ہی رستوں کی بھلائی ہے

بے مُہار آگ

مٹی اور درختوں سے بدفعلی کرتے ہوئے ہاتھ اب
آسمان کا سینہ نوچنے کو بے تاب ہیں

آگ نے پانی کی ایک نہ مانی
اور ہوا کی پُشت پر اَسوار ہو کر
جنگل کے جنگل پھونکتی ہوئی
اُجلے اور سفید بادلوں کو سیاہ دھوئیں میں بدلتی
سات آسمانوں کے گریبان چاک کرتی
عرشِ عُلیٰ تک جا پہنچی
اور اِس سے پہلے کہ اُس حد کو چھُوتی

جس حد پر اس کی تخلیق ہوئی تھی
اسے واپس مٹی پر پھینک دیا گیا
آگ کو بھی تھک ہار کر مٹی میں ہی پناہ ملتی ہے

کوئلہ کاٹتی آنکھیں

پہلے دن سے میرا خدا
دوسرے دن کے ہر خدا کا انکاری ہے

میں پہلے دن کی محبت پر ایمان لاتا ہوں
تم دوسرے دن کی شراکت سے انکار کر دو

ہم دونوں کا ایمان مکمل ہو جائے گا

وہ مہورت کا دن اور برات کی رات!
مجھے سب اچھی طرح سے یاد ہے

رات کی رات آخر ایسا کیا ہوا
کہ تم دن کی مخالفت پر اُتر آئے ہو

تیرگی کی پیروی میں تمہاری آنکھیں
جھوٹ کا کوئلہ کاٹنے میں اِس درجہ مصروف ہیں
کہ انہیں گریبان کی کالک بھی نہیں دکھتی

ایسی بینائی پر تُف!
پھاوڑے کی چوٹ پہ رکھا
ہیرے کا جگر!

(نقلی اندھے کو بھلا کون راستہ دکھائے)

آنکھوں میں موتیے کے سفید پھول اُگ آئیں
تو دن سیاہ راتوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں

زندان کی عُریاں وحشت

جاگ رہے ہیں
بے ہنگم سے خواب کی اینٹیں
ایک عمارت عُریانی کی
جس کی دیواروں کے اوپر
دو جسموں کے ننگے سایے
بھاگ رہے ہیں

قید کہاں تک پھیل چکی ہے
نظموں کے زندان میں لوہے جیسی سطریں
لفظ کا چھلنی چھلنی سینہ
رنگ اور خون کی اٹکل بازی
آنکھوں میں تعمیر کا خنجر

ننگ دھڑنگ جلاّد کی مونچھوں، کالے دانتوں
جیسی وحشت!
زندہ رہنے کی خواہش بھی چاٹ چکی ہے

بھاگ رہے ہیں
دو جسموں کے ننگے سایے
بے چھت کی دیواروں جیسی عُریانی میں
جاگ رہے ہیں
نظموں کے زندان کے قیدی!

Deep Sleep

باغ کی چاردیواری کے ساتھ اُگے پھول
مرجھا کر دیوار کی بنیاد میں دفن ہو چکے ہیں
اور دیوار پر کانٹے اُگ آئے ہیں
پرندے درختوں سے اُڑ کر جا چکے ہیں
درخت اس فِراق کے سلو پوائزن سے مر رہے ہیں
باغ قبرستان بن چکا ہے
اور مالی سو رہا ہے

اسے گہری نیند میں سوتا دیکھ
گِدھ ہنس رہے ہیں
شاید!
اُن کے اگلے دن کی خوراک کا انتظام ہو چکا ہے

بے پیندے کی کھوپڑی

سُنو! اے بدحواس دانشور
تمہارے سَر پہ رکھی بے پیندے کی کھوپڑی
ذرا سی تیز ہوا چلنے سے ڈول جاتی ہے
نتیجتاً جو کچھ تمہارے اندر ہے سب
چوراہے پر پھیل جاتا ہے
جس سے پھسل کر تم خود سڑک پر گر جاتے ہو
اور تمہاری کھوپڑی
لڑھکتی ہوئی کسی نالے میں گر جاتی ہے

ہر شہر میں سڑک کے کنارے ایسے بہت سے گندے نالے ہیں

جن میں ایسی بہت سی
بے پیندے کی کھوپڑیاں جمع ہو رکھی ہیں
اور فضا میں دُور دُور تک غلیظ تعفن پھیل چکا ہے

جالے

وہ مجھ سے چیونٹیوں کے بارے پوچھتی ہے
اُن چیونٹیوں سے متعلق
جو میری آنکھوں میں گھر کر چکی ہیں
مشکوک! توہمات سے بھری، رنگ برنگی چیونٹیاں!

میں اُسے کیا جواب دوں
جب کہ میری آنکھوں میں تو خود اُس کا ہونا بھی اک سوال ہے
کون ہے وہ؟؟
کوئی لڑکی ہے
یا پھر کوئی چیونٹی
یا پھر کوئی سوال ہے
جو میری آنکھوں میں رینگ رہا ہے اور سر کی طرف چڑھ رہا ہے!

سُنو! تم جو کوئی بھی ہو (یا نہیں ہو)

ایک التجا ہے!
میری آنکھوں تک ہی رہو
میرے سر پہ نہ چڑھو!
میری کھوپڑی میں جالے ہیں۔۔

مکڑیوں کے ''یہ بڑے بڑے جالے"
جو تمہیں پلک جھپکتے ہی نگل جائیں گے
سو اگر تمہیں زندگی عزیز ہے
تو سُنو!
اپنے گھر میں سُکھ سے رہو، اور کوئی سوال نہ کرو
میرے پاس کوئی جواب نہیں، صرف جالے ہیں

ان گنت سوالوں اور نامعلوم اذیتوں کے
''یہ بڑے بڑے جالے''

کنگھی، شیشہ اور محل

کنگھی اور شیشہ
شیشہ اور محل
محل اور شہزادیاں
شہزادیاں اور کنیزیں
کنیزیں اور غلام
غلام اور بادشاہ
بادشاہ اور راز

(راز اور محل)

محل اور دیواریں
دیواریں اور کان
کان اور سرگوشیاں

سرگوشیاں اور جاسوس
جاسوس اور دشمن
دشمن اور فوج
فوج اور منجنیقیں
منجنیقیں اور پتھر
پتھر اور شیشہ
شیشہ اور شہزادیاں

(شہزادیاں اور ہاتھ)

ہاتھ اور زنجیریں
زنجیریں اور کنیزیں
کنیزیں اور غلام
غلام اور بادشاہ!

سِلی کون کے پتلے

نیفے میں سر گھُسا کر ہم
شلوار کے پانچوں سے زمین کو دیکھ رہے ہیں

ہم سے ہمارا آسمان چھیننے والے
ہمیں یوں
سر نیہوڑائے کھڑے دیکھ کر ہنستے ہیں

ہم سِلی کون کے پتلے!
ربڑ سے باندھ کر
اُونچی عمارتوں سے لٹکا دیے گئے

کہ تماشے کو کچھ تو چاہیے

دنیا کے بے رحم اکھاڑے میں ہم
الاسٹک پہن کر اترے
ہمیں اپنے قد کاٹھ کا بڑا گھمنڈ تھا
ذہین بونے ہماری شلوار اتار کر لے گئے

اور شہر کے سب سے بلند ٹاور پر ٹانگ دی
ہوا میں جھولتا عزت کا جنازہ دیکھ کر ہم قہقہہ مار کر ہنسے

غم نہیں
کہ تماشے کے مرکزی کردار تو ہم ہی ہیں

روشنی کی پھنکار

مجھے روشنی اور آوازوں سے ڈر لگتا ہے
ایسا اکثر کے ساتھ ہوتا ہوگا

یہاں کتنی آنکھیں ہیں جو روشنی کی کثرت سے
کسی ایک مرکز پر متحد نہیں ہو پاتیں
اور کتنے ہی کان ہیں جو آوازوں کے ہنگم میں
کچھ بھی صحیح سے سُن نہیں پاتے

ایسے میں
خوف اک ردِ عمل کے طور پر پیدا ہوتا ہے
اور سہمے ہوئے دلوں کی تاریکی میں
خامشی سے انڈے دینا شروع کر دیتا ہے

تم اور میں ایسے ہی انڈوں سے نکلے ہوئے ممولے ہیں
ہم وہ خوف زادے ہیں جن کی پیدایش
سانپوں سے بھرے گھونسلوں میں ہوئی

سانپ روشنی سے ڈرتا ہے
اور اندھیرے میں ڈراتا ہے

کیا تمھیں اُن سانپوں کی چمکتی ہوئی آنکھیں یاد ہیں؟
خوف نے ہمیں اُس دن سے گھیر رکھا ہے
جب!
روشنی اندھیرے کی اوٹ سے ہم پر حملہ آور ہوئی تھی

گھونسلے سے گر کر ہم بے گھر ہوئے
اور تب سے ہمیں روشنی اور اس کی پھنکار سے ڈر لگتا ہے

پاردیس کی رانی

اِس سے پہلے کہ رات کی رانی
اپنا صندلی لہنگا سمیٹ کر
اطراف میں پھیلی مُشک اپنے نافے میں بھر کر
چَوکڑیاں بَھرتی، خوابیدہ مکانوں پر سے اُڑتی
اپنے دیس واپس چلی جائے

ہمیں اُسے پکڑنا ہے

ہم ہر صبح خوشبو سے پہلے باغ سے نکلتے ہیں
اور شہر کے گلی کُوچوں میں پھیل جاتے ہیں
اور ہمیشہ نامُراد لوٹتے ہیں

رات کی رانی کے نافے سے
مُشک چوری کرنے کی حسرت میں
کتنے ہی ماہر شکاری سانپوں کی خوراک بن گئے

رات کی رانی کا راز! کوئی نہیں جان سکتا
جب تک کہ وہ خود نہ چاہے

سرگوشی

(دوسطری)

میں نے بُدّھا کے لمبوترے کان میں اِک سرگوشی کی
اور وہ دھیان کے چبوترے سے زمین پر آگرا

موتیے کے نابینا پھول

(Louis Braille* کے نام)

تمھیں سفید موتیا بہت پسند تھا نا
آؤ اور دیکھو! میرے پاس تمہارے لیے دو پھول ہیں
موتیا بند آنکھوں کے دو پھول

جنہیں میں ہر صبح اشکوں کے پانی سے دھو کر
انتظار کی منڈیر پر رکھ آتا ہوں
اور شام کو واپس چُن لیتا ہوں
دیکھو ہر جاتے دن کے ساتھ

ان محدب عدسوں کی دھندلاہٹ بڑھ رہی ہے
کہیں ایسا نہ ہو تم آؤ
اور موتیے کی خوشبو تمھیں پہچاننے سے انکار کر دے

---

* فرانسیسی معلم و موجد جس نے بصارت سے محروم افراد کے لیے لکھنے اور پڑھنے کا نظام وضع کیا

چوری کی اگر بتیاں

کیا کہا؟ تمہیں خوشبو سے الرجی ہے!
ایسا ہے تو، تلووں پہ لگی مٹی لے کر بستر پہ نہ چڑھنا
کل! بارش ہے
گھر سے بھی نہ نکلنا کہ بارش میں مٹی جاگ اٹھتی ہے
اور اس کی سوگند چاروں دشاؤں میں پھیل جاتی ہے
افسوس تمہیں کوئی تحفے میں پھول بھی نہیں دے سکتا
کوئی تم سے محبت کا اظہار کیسے کرے؟
تم لمس کو گناہ سمجھتی ہو
اور اظہار محبت سے نفرت کرتی ہو
دن رات یہ کس کی پُوجا میں لگی ہو

کیا تمہارا جیون ساتھی بھی بھگوان چُنیں گے؟
دیکھو
بھگوان کو چوری کی اگر بتیاں مت سنگھاؤ
بھگوان کو خوشبو سے الرجی ہے

اتوار بازار سے خریدا گیا حُسن

کنگھی اور شیشہ
بیچ کے دو وَسیلے ہیں جن کی مدد سے
میں خود کو خوب صورت ظاہر کر سکتا ہوں

یا پھر تمہاری آنکھوں کے محدب عدسے
جہاں پلکوں پر تیرتے آنسوؤں کے پار بھی
میری شکل اتنی ہی اُجلی نظر آتی ہے
جس قدر جھیل کے ٹھہرے ہوئے پانی میں
صاف نیلا آسمان!

میں کتنا خوش قسمت ہوں

جسے جھیل کا پانی میسر ہے
کنگھی اور شیشہ دستیاب ہیں

کچھ لوگ خوب صورت نظر آنے کی کوشش میں
اور بھدّے ہوتے جاتے ہیں
حُسن اتوار بازار سے خریدا جا سکتا تو کوئی ماں بدشکل بچے نہ جنتی

(رنگ گورا کرنے کی کریم سے جینز کی بدہیئتی کو نہیں بدلا جا سکتا)

دھیان رکھنا
تم بغیر کنگھی اور شیشہ کے مرے شہر کا رخ نہ کرنا
یہ پاکبازوں کا شہر ہے
یہاں کے باسی تہمت تراشنے میں ماہر ہیں
اور بہتان باندھنے میں ذرا دیر نہیں کرتے

ان کی آنکھوں میں شک کے بال آ گئے ہیں

دیکھو میری معصوم!
تم اس شہر کا رخ جبھی کرنا، جب
تمہارے حق میں کسی آسمانی صحیفے کی آیت یا
کسی عیسٰی کی گواہی محفوظ ہو

بھوک کی بیڑی اور صندوق

میں اپنی جیب کے خلا سے واقف ہوں
مجھے دور کے ڈھول سہانے نہیں لگتے

میں اپنا آبائی مکان
اور خدا کے ہاتھوں جتنے کشادہ میدان

اس لیے چھوڑ کر نہیں بھاگا
کہ وادی کے اُس طرف
بج رہی ڈھولک کی تھاپ پر ناچ سکوں

مجھے کسی حسینہ کی چھاتیوں نے آواز دے کر نہیں بلایا
دنیا کی تمام حسینائیں
جیب کے خالی پن سے نفرت کرتی ہیں

میں تو آیا ہوں کہ
پیروں سے بندھی بھوک کی بیڑی کو توڑ سکوں

(ازار بند خریدنے کی اوقات نہ ہو تو صندوق کون خریدے)

خالی صندوق کی تَھپ تَھپ پر رقص کرنے والے لوگ
سوٹ کیسوں میں مہنگے پرفیوم بھر کر لائے ہیں
دور کے ڈھول سہانے نہ سہی
خالی صندوقوں جتنے بے سُرے تو نہیں

یہی خیال کھینچ کر لے جاتا ہے
پہاڑی کے اُس پار!

جہاں ہمارے نام کی بَلی دی جاتی ہے
*جپسیز! ہمیں جلتے ہوئے دیکھ کر ہنستے ہیں

(کہ مہاجر جسموں کو جلانے سے شہر کی بلائیں دُور ہوتی ہیں)

* gypsies

کٹھ پُتلیاں

جھنڈے کی رسی سے بندھی کٹھ پُتلیاں
کٹھ پُتلیوں سے ٹنگے جسم
جسموں پہ لگی مُہریں
مُہروں پہ لکھے (آقاؤں کے نام)
ناموں سے ظاہر ہوتے کردار
کرداروں کے پیچھے چُھپی داستانیں
داستانوں میں رکھے بھید
بھیدوں میں گونجتی آوازیں
آوازوں پہ تھرکتے جسم

جسموں سے لپٹی رسیاں
رسیوں سے بندھی کٹھ پُتلیاں
کٹھ پُتلیاں! یعنی میں اور تم

پہیلی

خون سے بھری کیاریوں میں
اگنے والے درختوں کا پھل
کس رنگ کا ہوگا
ان کی نسل کس شجرے سے ہوگی

اور

ان کا پھل توڑ کر کھانے والے بچے
اپنے بازووں پر
کس رنگ کے پھل اُگائیں گے
اپنے شجرے کا نام کیا بتائیں گے؟

تشکیک

بُھر بُھری مٹی سے
پیدا ہونے والے دلوں میں
نہ جانے کتنے سوراخ تھے
جن میں داخل ہونے والی
شک کی چیونٹیاں
باہر نکلنے کا رستہ بھول چکی تھیں

وصل کی اِک پژمُردہ شام

جل گئے رات کے زخمی پیر
خواب کی پہنائیوں سے گزرتے ہوئے!
دن اپنے گزر اوقات پہ شرمندہ ہے

مہندی کے پتوں سے چرائے گئے رنگ
ہاتھوں پر چڑھائے گئے
وصل کی پژمردہ شام
لمس کے سارے دیپ
ہجر کی آندھی کے سپرد کرتے ہوئے ڈر رہی ہے

اب کے برس بھی
چوکھٹ تک آئے محبت کے پرندے
پنگھٹ سے بوسوں کے بیج چگنے میں ناکام رہے

بُزدل کام چور

کوئلہ کاٹ کر میں نے آنکھیں بنائیں
ہیرے کی کان سے کچھ ہیرے چرائے

اُدھر دیوار پر کالے کوّوں کی قطار
چھت سے دبے پاؤں سیڑھیاں اترتا خوف

(آنگن میں مردہ کبوتروں کی جوڑی)

سرد انگیٹھی کی چُپ
چہرے کی اڑی رنگت

ایک قہقہہ
ہیرے جیسے چمکتے دانت

سرخ کوئلے سا دہکتا جسم
بستر پہ سوئی داشتہ!

جسے! میرے ہیروں
اور انگیٹھی کے کوئلوں سے کوئی مطلب نہیں

رات اس کی دیہاڑی ہے
(اور داشتائیں کبھی کام چوری سے کام نہیں لیتیں)

میں ٹھہرا پہلے دن کا کام چور
ہیروں کی دلالی میں اپنے ہاتھ کالے نہیں کر سکتا

اے رات میرا منہ اپنی سیاہی سے ڈھک دے
کہ مجھے بھاگنے میں آسانی ہو

پشپاولی کے جنے پھول
(love triangle)

سُنو میرے دوست!
ہم ہار جاتے ہیں
ان آنکھوں کے سامنے
جو ہمیں سب سے زیادہ دیکھنا چاہتی ہیں

ہم فرار ہو جاتے ہیں
وہاں سے
جہاں! حُسن دو آنکھوں میں تقسیم کر دیا جائے
* پشپاولی کے جنے پھول جب تک ہماری جھولی میں گرتے ہیں
ہم خود مرجھا چکے ہوتے ہیں
ہماری قسمت کی ریکھائیں

---
* پشپاولی: اداکارہ ریکھا کی ماں کا نام/ پھولوں کی اک بیل

ہر بار ہمیں
خودکشی کے موڑ پر
اکیلا چھوڑ کر
کسی اور کا ہاتھ تھام لیتی ہیں

اکلاپے کی سرزمینوں میں
وحشت کے بیج کاشت کرتے ہوئے ہم
یہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ عورت!
اپنا پہلا پیار کبھی نہیں بھولتی

جو یوں ہوتا تو۔۔

وقت کی پُرخوف دیواروں کے نیچے
موت زندگی بن کر بہہ رہی ہے
نیلے رنگوں نے
باغ کا سارا سبزہ کھا لیا ہے اور رنگ رنگ کے پھول
اس یکسانیت سے اکتا چکے ہیں
موت کو اتنا بھیانک بھی نہیں ہونا چاہیے
کہ اشیا اپنی رنگت سے محروم ہو جائیں
نیلا تھوتھا چاٹتی ہوئی لڑکی
پہلے زرد ہو گی اور پھر کچھ ہی پل میں خود بھی نیلی ہو جائے گی
موت جس کا اپنا رنگ سیاہ ہے
ہم سب کو نت نئے رنگوں سے ڈستی ہے
کاش زندگی کا بھی کوئی ایک رنگ ہوتا
لیکن پھر مرنے کا لطف نہ رہتا

ہے نا؟ ایک جیسی موت!

(سننے میں ہی بورنگ لگتا ہے)

کاش بوریت نہ ہوتی
تو میں یہ نظم نہ لکھتا۔۔اور تم اِس وقت کہیں
کسی کی بانہوں میں جُھول رہی ہوتی

کاش وہ بانہیں میری ہوتیں!
تو پھر یہ نظم کون لکھتا؟

بستر پہ گرے رنگ

رات کے بند کھولنے سے پہلے
دن کی برہنہ تصویریں دیکھنا پڑتی ہیں

وہ جن کی اپنی کوئی تصویر نہیں
دن کے اجالے میں اپنی شکل دیکھنے سے ڈرتے ہیں

پہلو سے جڑے پہلو
کولھوں سے لگے کولھے
رانوں سے پھسلتی رانیں۔۔
رات اپنے ساتھ کیا کیا تصویریں لے کر آتی ہے

لمس کا اپنا اک آہنگ ہے
جس سے ترتیب پاتی یہ تصویریں کسی رنگ کی محتاج نہیں

(اس پینٹنگ میں سیاہ بلاوز اضافی ہے
اسے کینوس سے اُتار کر
بستر سے نیچے پھینک دو)

دیکھنا
جلدی کا کام شیطان کا ہے
اور مصوری خدا کا

ایک غلط اسٹروک منظر کو بگاڑ سکتا ہے

رات ابھی باقی ہے
اور تمہاری ہمسر کو سونے کی کوئی جلدی نہیں
تم بھی جلدی مت کرو

بستر پہ کوئی کچا رنگ نہ پھینکو
جس سے خوابوں کی تولید مشکل ہو
اور خواہشیں بانجھ پن کا شکار ہو کر مر جائیں

تیسری جِنس کا التباس

بھیڑ میں ایلین ہونے کا احساس
تالی کی گونج میں چھپا دکھ
شادی کے گیت پر تھرکتی مُورتیں
اور اُن کے دلوں میں
بے تھکان جاری نوحہ
جو کسی کو سنائی نہیں دیتا۔۔

(اور ہم نے ہر ایک کا جوڑا بنایا)

کیا خدا تیسری جنس ہے؟
کیا خدا ایلین ہے؟

لوگ بازار کو پسند کرتے ہیں

بھیڑ میں ایک دوسروں کے اعضا ٹٹولتے ہیں
وہیں کہیں کوئی
گھنگھرو چھنکاتا ہوا گزرتا ہے
جس کی چھنک سے آسمان کے بُرج ہلنے لگتے ہیں
منارے ڈولنے لگتے ہیں
کوئی اپنی تنہائی میں گُرلاتا ہے

جوڑے اِس اکلاپے کا دکھ نہیں سمجھ سکتے

مجھے کسی کے اعضا ٹٹولتے ہوئے خیال آیا
خدا جو کبھی شادی و مرگ میں شریک نہیں ہوتا
بھیڑ ہو یا تنہائی
اس کا التباس ہر جگہ ہوتا ہے

جہاں دو لوگ ہوں وہاں، وہ تیسرا ہوتا ہے!

سورداس کی آنکھیں

یہ دکھ یہ خواب
یہ بھید یہ بھاو
رنگوں کی پیدائش سے، پہلے کی کائنات!

کرشنا کی چھاتی پہ سوئی رادھا
اور بنسی میں چھپا سانپ

ہر سُندرتا کے پیچھے
چغلی کھاتی بدصورتی
کورے درپَن پہ اُگے کانٹے
جیسے سورداس کی آنکھوں میں
جمنا کا نمک

*سُرساگر کی لہریں
ہاتھ سے پھسلتی مچھلیاں

سنو رادھا!
میری آنکھوں میں اگا موتیا نوچ کر
جمنا کے پانی میں بہادو

تمھیں کرشنا کی قسم!

(پیہ بن بہت بیرنی بائے)

اس کائنات میں
ایک اکیلی تم ہی ہو، جو میرا درد سمجھ سکتی ہو

---

* ''سورساگر'' نابینا شاعر اور گلوکار سورداس کی کتاب جو کرشنا کی تعریف پر مبنی گیتوں پہ مشتمل ہے

ہِٹ ہے!

آنکھوں کی پگڈنڈیوں پہ اُگے
ڈب کھڑبے، جذّامی خواب
دل کو لگی محبت کی پھپھوندی

شہر کے چوراہے پہ ٹنگی
ہیرو کی لاش
سر پر منڈلاتے، خونخوار گدھ
اُبکائیاں لیتے، تماشائی

اور اُدھر
سِین کو خوش گوار بنانے میں مصروف
کچھ بدحواس بندر

جن کے ہاتھوں میں، مُردہ مور کے پنکھ
پچکی ہوئی کھوپڑی کی دوات

لہو کی سیاہی سے کھنچی، آڑھی ترچھی لکیریں

(اس قدر فلاپ شو کی ٹکٹیں تو کوئی
بلیک میں بھی نہ خریدے)

یہ تیسری دنیا کے تماش بین!
اپنے پُرکھوں کی طرح ماتم اور شادی کے آداب بھی نہیں جانتے

میاں ڈارون!
کلائمیکس کا انتظار نہ کرو
بجاؤ تالی
ہِٹ ہے، ہِٹ ہے، ہِٹ ہے

جہنم میں اُترنے سے پہلے

جہنم میں اُترنے سے پہلے مجھے
اس جسم میں غوطہ زنی کرنی ہے

سیراب ہو جانا کوئی کمال نہیں
میں تو ازل کا پیاسا ہوں
ابد تک تیرتا ہوا چلا جاؤں گا
تجھ بدن کے کنارے کنارے

پھیلتا چلا جاؤں گا
روشنی کے آفاق پر

جہاں خوشبودار کرنوں کی پنکھڑیاں

دور تک پھیلی ہوئی
آسودگی کی بیلوں سے جھڑتی ہوئی
تیرے پیروں سے چمٹی ہوں گی
اور میں اپنے ہونٹوں سے
ایک اِک کلی کو چُن کر
تجھ بدن کے گرد
آنات کا ایک ایسا نامختتم دائرہ کھینچ دوں گا
کہ جس کے اندر بوسوں کی ہری بھری بیلیں
ہمیشہ سرسبز و شاداب رہیں گی

جہنم میں اترنے سے پہلے
مجھے اس جسم میں غوطہ زنی کرنی ہے

لامکاں تامکاں

میرے تحیر سے تمہارے امکان کی دنیا بہت چھوٹی ہے
میرے تخئیل میں تو
ہزار ہا سرزمینیں ہیں
ان گنت اور بے شمار خلا ہیں
تم اپنے ماتھے سے
لامکان کی حد ماپ لینا چاہتے ہو؟
میں اپنے خیال سے ہر مکان اور لامکان کی حد چھو کر
واپس لوٹ آیا ہوں
اور اپنے بستر پر دراز ہوں
یہاں کس قدر سکون ہے
گُڑیا!! میرے لیے دو انڈے تو اُبال دو

بیضوی شکل کا یہ سیّارہ ہی میری جنت ہے

مجھے انڈے کی زردی میں چھپے چوزے کو نہیں
اپنی بھوک کو دیکھنا ہے
ٹھنڈ بہت بڑھ رہی ہے
مجھے آسمان کے شگاف کو نہیں
اپنی ٹوٹی ہوئی چھت کو دیکھنا ہے
اور جلد اک پُختہ مکان تعمیر کرنا ہے
جو تخیلاتی دنیا سے باہر بھی کہیں موجود ہو!
جسے میری ماں کی بوڑھی آنکھیں دیکھ کر جوان ہو جائیں

گھن چکّر

میں جو دن رات
سیّارگاں کی صحبت میں خراب ہوا ہوں
مارا مارا پھرا ہوں
(چکّر پہ چکّر دے چکّر)
میرے پیروں کی ایڑیاں گھِس چکی ہیں
اور تخیّل کے پَر جَل چکے ہیں
لیکن گھوم رہا ہوں
لیکن اُڑ رہا ہوں
اِس اُمید پر کہ کسی دن کسی رات میں!
یا پھر کہکشاؤں میں بھٹکتے سورجوں کے
بے ترتیب اوقات میں
کسی گمشدہ سیّارے کی دُھول

یا خلا کی کالی کائنات میں
کسی بلیک ہول کے پھُول
یا منجمد ستاروں کے آنات میں
کسی جگہ رک کر
ٹھیر کر
سُکھ کا سانس لوں گا
اور تم وہاں مجھ سے پہلے
میری منتظر ہو گی

اسلاف کی ہڈیاں اور تتلی کا جار

قبر کی بھی اک عمر ہوتی ہے
اس کے بعد اس پر صرف گھاس اگتی ہے
اور مٹی کی خوشبو اس سے غائب ہو جاتی ہے

جار میں بند
تتلی کے رنگ آخر کب تک تازہ رہیں گے

اپنی آنکھوں کو نئے رنگوں سے آشنا کرو
اور نظر کی تتلی کو کھلی فضا میں اڑنے کے لیے چھوڑ دو
تا کہ وہ رنگ رنگ کے پھولوں سے رنگ چرا کر
تمہاری آنکھوں میں بھرتی رہے
مردہ آنکھوں سے تم

کب تک مَری ہوئی تتلیاں برآمد کرتے رہو گے

ایک قبر یا اک جار کے اندر آخر کوئی کتنا اور کہاں تک اُڑ سکتا ہے

کب تک اسلاف کی ہڈیاں چباتے رہو گے
اور قبروں کی بوسیدہ مٹی چاٹتے رہو گے
آہ یہ اساطیر کے قصے!!

مجھے اپنی زبان کا ذایقہ بدلنا ہے
اور کھلی فضا میں سانس لینا ہے
میں اپنے بدن پر قبر کی بوسیدہ گھاس نہیں اگنے دوں گا

سات پھول

ایک پھول بیج کے اندر ہے
ایک پھول تمہاری جیب میں
ایک پھول میرے سینے پر ہے
ایک پھول تمہاری چھاتی پہ
ایک پھول میرے ہاتھ میں ہے
(اور دو پھول تمہاری آنکھوں میں)

سات پھولوں کے اِس گلدستے سے
اور سات پھول تیار ہو سکتے ہیں
سات سو پھول
سات سو ہزار پھول

موت کی رات

چاند!
اے میری کھڑکی کے دوست
اے میری آنکھوں کے واہمے
آج اس قدر اُداس کیوں ہے

وقت نے تیرے چہرے پر جُھریاں بَھر دیں
اور میری پیشانی پر نابودی کے کانٹے جَڑ دیے
(بوڑھے سورج کو چاندنی کا دُکھ کیا معلوم!)
چاند! اے میرے دوست
پھر کہیں کسی شب
ایک نئے وقت کے دورانیے میں
ایک نئی کہکشاں کی کھڑکی سے
تم سے دوبارہ ملاقات ہو گی
تب تک کے لیے
خدا حافظ

تین پَر کٹی نظمیں

(۱)

ہم وہاں!
پرندوں کے بال و پر خریدنے گئے تھے
جب آنکھ کھلی تو پنجرے میں تھے
پلک جھپکی تو نیند میں
کروٹ بدلی تو کسی خواب میں
جانے ہم وہاں کیا کر رہے تھے
جانے ہم وہاں کیا لینے گئے تھے

(۲)

نیند پوری کرنے کی کوشش میں ہم جاگ رہے ہیں
اور ادھر اک خواب
خواب میں کیا دیکھتے ہیں
کہ میں اور تم ایک تتلی کے پیچھے بھاگ رہے ہیں
آگ کے پیڑوں پر بُور آ گیا ہے
تتلی کے پَر جھلس گئے ہیں
جگنوؤں کی نیند اُڑ چکی ہے
اور ادھر ہم
نیند پوری کرنے کی کوشش میں جاگ رہے ہیں

(۳)

جادو تمہاری آنکھوں میں نہیں
تمہارے پیروں میں ہے
آنکھوں میں تو بس خواب ہیں
خواب جِن میں تم اور میں اُڑ رہے تھے
ایک نادیدہ آسمان کی طرف!
جست بھَر لینا کافی نہیں
پیروں سے لپٹی ہوئی آگ کو جھاڑ و وَگرنہ!
آسمان کی مٹی پلید ہو جائے گی
جادو تمہاری آنکھوں میں نہیں
تمہارے پیروں میں ہے

ہک شیشہ ہک کنگھا
مُکھڑا رَنگ برنگا

حوّا تیرے باجھوں
آدم ننگ مُننگا

پاڑی نال شریکا
اگی نال سلَنگا

بیڑی ٹھیل چُھڑیندا
دریا کیڈا چنگا

سِدّھے راہے پَیسی
ولّے کھیندا ڈنگا

سیَتک بہہ رَو لاگے
ڈھیر پراتیا سَنگا

خدا گلی سے گزر رہا ہے
خدا چھتوں پر سے اُڑ رہا ہے
خدا کے سب بال و پر کھُلے ہیں

خدا کی مسجد
خدا کا مندر
خدا کا گرجا
خدا کی بستی
خدا کے سب بام و در کھُلے ہیں

ہم اپنے پنجرے میں قید پنچھی
ہم اپنی بستی میں اجنبی ہیں
ہمارے رستوں پہ خونی باڑیں

لگانے والے

بھی سب خدا کے ہی آدمی ہیں
وہ چاہے جس بھی گلی سے گزرے
خدا کے سب راستے کھُلے ہیں

آئندہ سے پیوستہ

آج جبکہ اردو ادب عمومی اور اردو نظم خصوصی طور پر حد درجہ انفرادیت کا اظہار بن کر رہ گئی ہے نئی نسل کی کچھ آوازیں مگر اب بھی عالمگیر افراتفری کی شعلہ گیر ہوا میں پوری تخلیقی قوت اور تہذیبی جرات کے ساتھ سنائی دیتی ہیں ان آوازوں میں ایک آواز توقیر رضا کی ہے۔ ہر طرح کی حد بندی، امتیاز اور نشان زدگی کے خلاف بھری پُری آواز! جو شاعر کے دل سے نکل کر کئی دلوں میں اتر جاتی ہے۔ ”موتیے کے نابینا پھول“ میرے لیے کسی طلسم ہوش رُبا سے کم نہیں، اس کتاب کی نظمیں ایک جیتے جاگتے انسان کے رنگا رنگ تجربات کا فن کارانہ اظہار ہیں جہاں اس نے زرتشت کی طرح آگ کو زندگی کی جدلیات سے جوڑ کر نئے نئے معانی کا حامل بنا دیا ہے آگ کا اسرار اسے بستی بستی لیے پھر رہا ہے۔ بہت پہلے ہجرتوں نے اسے یوں بھی جلنے کی لذت سے آشنا کر دیا تھا لیکن اس کی شاعری ترتیب پاتے ہوئے محض کسی مخصوص اکائی کسی آزمودہ پس منظر پر اعتماد نہیں کرتی اس کا انحصار نئے نئے تجربوں، انفرادیت اور عدم وضاحت پر ہے۔ اسے اول اول نظمِ آزاد مگر اب نثری نظم زیادہ راس آئی ہے۔ اس کے ہاں کیا کمال ہے کہ احساس کا آہنگ ہی شاعری کا آہنگ بن جاتا ہے۔ توقیر نئی اردو نظم کا وہ روشن ستارا ہے جو سطح مرتفع سے مسلسل خیر کی خبریں سنا رہا ہے

فرخ یار

توقیر رضا کے جامِ حیات میں تخلیق کی آتشِ سیال بھری ہوئی ہے جسے اس نے قطرہ قطرہ اپنے تجربات و مشاہدات سے کشید کیا ہے لفظ لفظ اس کا اپنا اور نکتہ نکتہ اس کے روشن و تاباں ذہن کا زائیدہ ہے لہٰذا وہ فکر و خیال سے لے کر اسلوب و ادا تک انفرادیت کا پیکر ہے۔ امید ہے کہ نئی نظم کے لیے اس کا وجود نیک شگون ثابت ہوگا۔

شہاب صفدر

In our literary world flooded with kitsch, it's not an everyday experience that you chance upon verses that are both evocative and provocative making you stop in your tracks.

Mushtaq Soofi - DAWN
Feb 7th, 2022

سانجھ
SANJH
PUBLICATIONS

Book Street, 46/2 Mozang Road,
Lahore,Pakistan Phone:0333-4051741
e-mail: sanjhpk@yahoo.com, sanjhpks@gmail.com

ISBN:978-969-593-443-2

Rs:600